ہندوستان میں علم حدیث کی تاریخ کے چند گم شدہ اوراق

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ

اہل عرب کو علم حدیث اور اس کی اشاعت کے ساتھ خاص شغف رہا ہے، اس لئے جہاں ان کے فتوحات کا قدم پہنچا، وہیں قرآن پاک کے بعد علم حدیث کی درس گاہ بھی قائم ہوگئی، ہندوستان کا سب سے پہلا حصہ جو عرب فتوحات کے دائرہ میں داخل ہوا، وہ سندھ تھا، جس کا ۹۶ھ سے تقریباً ۲۵۰ھ تک براہ راست دمشق و بغداد کی خلافت سے تعلق قائم رہا، پھر وہاں کے دو شہروں منصورہ اور دیبل میں دو مقامی ریاستیں قائم ہوئیں۔ منصورہ کی اسلامی ریاست محمود غزنوی کے حملۂ سندھ (۴۱۶ھ تک) قائم رہی اور اس کے بعد بھی وہ ۹۶۷ھ تک قائم رہی، مگر خود مختار نہ رہی، بہر حال اس سے اندازہ ہوگا کہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے اس وقت تک جب تک درۂ خیبر سے آنے والی قوموں نے آکر ان کو بے دخل نہیں کر دیا، وہ اس سرزمین میں اسلامی علوم کے حافظ و محافظ ہیں۔

قاضی ابوسعید عبدالکریم سمعانی ۵۰۴ھ میں مرو (ترکستان) میں پیدا ہوئے اور وہیں ۵۶۲ھ میں وفات پائی۔ علم حدیث کی طلب میں تمام دنیائے اسلام کی خاک چھانی اور ہر جگہ جا کر چار ہزار استادوں سے اس فن کو حاصل کیا۔ ماوراء النہر اور خراسان سے بارہا گزرے، ان کے علاوہ عراق، شام اور عرب تک چکر لگایا اور ہر گوشہ سے فیوض و برکات کا سرچشمہ جمع کیا، ان کی مشہور کتاب ''کتاب الانساب'' ہے، جو ۱۹۱۲ء میں گب میموریل سیریز کے سلسلہ میں عکس سے چھاپی گئی ہے، اس کتاب میں شہروں، قبیلوں اور پیشوں کی نسبتوں سے جو لوگ مشہور ہوئے، ان کے حالات ہیں۔ اس ضمن میں چھٹی صدی ہجری تک کے اکثر شہروں کے باکمالوں کے تذکرے ہیں، من جملہ ان کے ہندوستان بھی ہے۔

ہندوستان کے شہروں میں سے سندھ، منصورہ، دیبل اور لاہور کے نام اس میں ملتے ہیں۔ دہلی کا نام اس لئے نظر نہیں آتا کہ اس زمانہ تک (۵۶۲ھ) دہلی اسلام کے دائرہ حکومت میں نہیں آیا تھا۔

سندھی:……اس نسبت سے جن دو ابتدائی بزرگوں کے نام اس میں لکھے ہیں، یعنی ابو معشر یخیح المنونی ۱۷۰ھ اور رجا سندھی التوفی ۱۷۰ھ اور رجا سندھی التوفی ۲۲۱ھ کے نام پہلے گزر چکے ہیں، البتہ رجاء سندھی کی اولادوں کا ذکر رہ گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان میں مدت تک علم حدیث کا پرچار رہا۔ ابو عبداللہ محمد بن رجاء اور ابو بکر محمد بن رجاء مشہور حضرات گزرے ہیں۔ ابو عبداللہ نضر بن شمیل، مکی ابن ابراہیم بن علی دہلی اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے اور ابو بکر ابراہیم بن محمد شافعی، اسحاق بن راہویہ کے شاگرد تھے، بغداد اور مکہ میں درس دیتے تھے۔

(۳)……احمد بن سندھی بن فروخ بغداد جا کر رہے، ابراہیم دورقی سے روایت کی۔

(۴)……احمد بن سندھی بن حسن بھی بغداد ہی میں سکونت پذیر تھے۔ ثقہ، صدوق اور فاضل تھے۔(کتاب الانساب سمعانی:۳۱۴)

۳۷۵ھ یعنی سلطان محمود کے فتوحات سے بیس پچیس برس پہلے یہاں بیت المقدس کا عرب سیاح عالم ابوالقاسم مقدسی آیا تھا، آپ تعجب سے سنیں گے کہ وہ سندھ کے اسلامی فرقوں کے ذکر میں کہتا ہے:

واکثر هم اصحاب حدیث……اور ان میں زیادہ تر اہل حدیث ہیں۔(احسن التفاسیر:۴۸۱)

پھر کہتا ہے کہ یہاں کے بڑے شہر (قصبات) حنفی فقہا سے خالی نہیں ہیں، لیکن کوئی مالکی یا حنبلی نہیں۔(ایضاً)

منصوری:……یہ منصورہ کی طرف نسبت ہے، عربوں کے زمانہ میں یہ دوسری صدی ہجری کے شروع میں فتح ہوا، اہل ہند اس کو بھکر کہتے ہیں، اسی نام سے ہندوستان کی تاریخوں میں اس کی شہرت ہے۔ ۴۱۶ھ تک یہ عرب ریاست تھی، اس کے بعد سلطان محمود نے اس کو فتح کیا۔ عرب ریاست کے زمانہ میں یہاں علم حدیث کا خاصہ چرچا تھا۔

اہل حدیث میں ایک فرقہ ظاہریہ کہلاتا ہے، اس کے بانی امام داؤد بن علی اصفہانی التوفی ۲۷۰ھ ہیں۔ یہ ہر قسم کے قیاس کے قطعاً منکر تھے، آیات واحادیث کے صرف ظاہری معنی پر اکتفا کرتے تھے، اس لئے ظاہری کہلائے۔ داؤد ظاہری کے انتقال کے سو برس بعد ابوالقاسم مقدسی سندھ آیا تھا، وہ کہتا ہے کہ ''یہاں داؤدی مذہب کے محدثین موجود ہیں منجملہ ان کے وہ منصورہ کے قاضی ابو محمد کا ذکر کرتا ہے، جن سے وہ ملا تھا، وہ داؤدی تھے اور اپنے مذہب کے امام تھے، ان کا درس قائم تھا اور ان کی چند عمدہ تصنیفات تھیں۔ اس لحاظ سے قاضی صاحب کا زمانہ چوتھی صدی کا آخری ہوگا۔(احسن التفاسیر:۴۸۱)

منصورہ میں ایک دوسرے محدث قاضی ابوالعباس احمد بن محمد منصوری کا ذکر سمعانی نے کیا ہے۔ یہ بھی داؤدی مذہب کے امام تھے، عراق وفارس میں رہے تھے، مشہور محدث اثرم کے درس میں بیٹھتے تھے اور ابو عبداللہ حاکم التوفی ۴۰۵ھ ان کے شاگرد تھے۔ اس حساب سے یہ بھی چوتھی صدی کے آخر کے ہوں گے۔(کتاب الانساب:۵۴۳،۵۴۴)

ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن منصوری، حسن بن مکرم سے انہوں نے اور ان سے حاکم نے روایتیں کی ہیں۔ ان کا زمانہ بھی

چوتھی صدی کا آخر سمجھنا چاہئے۔ (کتاب الانساب: ۵۴۳، ۵۴۴)

قاضی ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح یمنی منصوری کا ذکر بھی سمعانی نے کیا ہے۔ یہ عراق جا کر رہے تھے۔ انہوں نے فارس میں ابوالعباس بن اثرم سے اور بصرہ میں ابورؤف ہوانی سے حدیثیں سنی تھیں۔ حافظ سمعانی کہتے ہیں کہ ''میں نے فارس میں ان سے زیادہ لطیف مزاج کسی کو نہیں دیکھا۔'' تو گویا یہ سمعانیؒ کے ہم عصر تھے، یعنی چھٹی صدی ہجری کے بیچ میں تھے۔ (کتاب الانساب: ۵۴۴)

دیبل:...... یہ سندھ کا مشہور بندرگاہ تھا، یہاں سے عراق کو جہازات آیا جاتا کرتے تھے۔ اسی شہر کا نام بعد کو ٹھٹھہ مشہور ہوا، یہاں بھی جیسا کہ پہلے گزرا، ایک اسلامی ریاست قائم تھی، یہاں بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے، جن میں سے سمعانی نے چند لوگوں کے نام لئے ہیں۔

(۱)...... ابوجعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی یہ مکہ معظمہ جا کر رہے تھے، یہ امام بن عیینہ کی کتاب التفسیر کے ابوعبداللہ سعید بن عبدالرحمان مخزومی کے واسطہ سے اور امام عبداللہ بن مبارک کی کتاب ''البر والصله'' کے ابوعبداللہ حسین بن حسن مروزی کے واسطہ سے راوی ہیں، عبدالحمید ابن صبیح سے بھی یہ روایت کرتے ہیں، ان سے ابوالحسن احمد بن ابراہیم بن فراس مکی اور ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی روایت کرتے ہیں۔ (کتاب الانساب: ۲۳۷)

(۲)...... ابراہیم بن محمد ابراہیم (دیبلی) یہ ابوجعفر محمد دیبلی کے جن کا نام اوپر گزرا، بیٹے تھے، یہ موسیٰ بن ہارون اور محمد بن علی الصائغ سے روایت کیا کرتے ہیں۔ (کتاب الانساب: ۲۳۷)

(۳)...... ابوالقاسم شعیب بن محمد احمد دیبلی، ابوقطعان دیبلی کے نام سے ان کو شہرت ہے، یہ مصر گئے تھے اور وہیں حدیث کا حلقۂ درس قائم کیا تھا، ابوسعید بن یونس ان کے شاگرد تھے۔ (کتاب الانساب: ۲۳۷)

(۴)...... علی بن موسیٰ دیبلی محدث تھے۔

(۵)...... حلف بن محمد دیبلی، یہ علی بن موسیٰ دیبلی کے شاگرد تھے، بغداد جا کر رہے اور بہت سے شاگرد پیدا کئے۔ (کتاب الانساب: ۲۳۷)

(۶)...... ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیبلی، اپنے زمانہ میں مشہور محدث تھے۔ محمد بن ابراہیم دیبلی کے شاگرد تھے، اس کے علاوہ نیشاپور میں محمد بن اسحاق ابن خزیمہ سے، بصرہ میں قاضی ابوخلیفہ سے، بغداد میں جعفر بن محمد فرمانی سے، مکہ میں فضل بن محمد جندی محمد ابراہیم دیبلی سے، مصر میں علی بن عبدالرحمٰن سے، دمشق میں ابوالحسن احمد بن عمیر سے، بیروت میں ابوعبدالرحمٰن مکحول سے، نجران میں ابوعروبہ حسین بن ابی معشر سے، تستر میں احمد بن زہیر تستری سے، عسکر مکرم میں عبدان بن احمد سے اور نیشاپور میں ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے حدیثیں سنیں۔ غور کرو کہ کبھی ہندوستانی محدث کا یہ ذوق وشوق تھا کہ طلب علم کی راہ میں نیشاپور، تستر، عسکر، مکرم، بصرہ، بغداد، دمشق، بیروت اور

مکہ معظمہ کی خاک چھانتے پھرتے تھے۔(کتاب الانساب:۲۳۷)

یہ ابوالعباس احمد دیبلی، اس شان کے بزرگ تھے، کہ امام حاکم نے ان کے آگے زانوئے ادب تہ کیا۔ سمعانی نے حاکم سے ان کی وفات کا سال ۳۴۳ھ نقل کیا ہے اور اسی سے دوسرے بزرگوں کے سنین بھی معلوم ہوتے ہیں۔ محمد بن ابراہیم دیبلی ان کے استاد تھے، اس لئے ان کا زمانہ چوتھی صدی ہجری کا اوائل ہوگا اور ابراہیم بن محمد دیبلی چونکہ ان کے بیٹے تھے، س لئے یہ چوتھی صدی کے بیچ میں ہوں گے۔ بقیہ بزرگوار بھی چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے معلوم ہوتے ہں۔(کتاب الانساب:۲۳۷)

لاہور:......لاہور کو سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۸ھ میں فتح کیا، سمعانی کہتے ہیں، کہ ہندوستان کے شہروں میں ایک برکت (کثیرۃ الخیر) شہر ہے، اس کو لوہور اور لاہور کہتے ہیں۔ یہاں بہت سے علماء پیدا ہوئے۔ یہ شہادت ایک ایسے شخص کی ہے جو ۵۶۲ھ میں وفات پا چکا تھا، یعنی یہ وہ زمانہ ہے جب غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہو رہا تھا، اور غوریوں کی حکومت کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔(کتاب الانساب:۲۳۷)

سمعانی نے علمائے لاہور میں سے حسب ذیل بزرگوں کے نام لئے ہیں:

(۱)......ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری: ادیب و شاعر ہونے کے ساتھ محدث تھے، بہت سی حدیثیں زبانی یاد تھیں، حافظ ابوعلی مظفر بن الیاس بن سعید سعیدی کے شاگرد تھے اور بغداد تک ان کا فیض عام تھا۔ امام سمعانی نے لکھا ہے کہ میں خود ان سے نہیں ملا، مگر حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر سلامی بغدادی کے واسطہ سے ان کا شاگرد ہوں۔ ۵۲۹ھ میں لاہور میں وفات پائی۔(کتاب الانساب:۲۳۷)

(۲)......ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن الاشعثی لاہوری: یہ شیخ ابوالحسن علی لاہوری کے شاگرد تھے، سمرقند میں یہ درس دیتے تھے، اور وہیں امام سمعانی نے ان سے شیخ ابوالحسن علی کی روایتیں سنیں۔ اس لئے ان کا زمانہ چھٹی صدی کا بیچ سمجھنا چاہئے۔(کتاب الانساب:۲۳۷)

(۳)......ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری فقیہ و مناظر و محدث تھے، امام ابوسعید عبدالکریم (صاحب کتاب الانساب) کے دادا امام ابوالمظفر سمعانی کے شاگرد تھے اور امام ابوسعید سمعانی نے ان سے اسفرائن میں کچھ روایتیں سنی تھیں، وہیں انہوں نے سکونت اختیار کرلی تھی، ۵۴۰ھ کے قریب وفات پائی۔(کتاب الانساب:۴۹۷)

ہندی:......یعنی کسی خاص شہر کی نسبت کے بغیر نفس ہندوستان کی نسبت سے چھٹی صدی ہجری کے وسط تک بہت سے اہل علم پیدا ہوئے۔ سمعانی کہتے ہیں، منسوب الیٰ بلاد الھند وفیھم کثرۃ وشھرۃ، ان میں سے صرف دو صاحبوں کا ذکر کیا ہے، جن کے نام ایک ہیں، صرف کنیتیں دو ہیں، اور یہ دونوں ہندی غلام بن کر امام بنے تھے، دونوں عبدالکریم سمعانی کے استاد اور شیخ تھے۔

(۱)......ابوالحسن بختیار بن عبداللہ محدث اور صوفی تھے، قاضی محمد بن اسماعیل یعقوبی (باشندۂ بوشنگ) کے یہ آزاد کردہ غلام تھے۔ اپنے آقا کے ساتھ عراق، حجاز، اھواز، بغداد، بصرہ، اصبہان، کوہستان اور خوزستان کا سفر کیا تھا اور ان میں سے ہر جگہ کے محدثین سے فیض پایا تھا، سمعانی نے قوشنج اور ہرات میں ان سے حدیث پڑھی۔ ۵۴۳ھ میں وفات پائی۔ (کتاب الانساب: ۲۳۷)

(۲)......ابومحمد بختیار بن عبداللہ: یہ سمعانی کے والد ابوبکر محمد سمعانی کے آزاد کردہ ہندی غلام تھے، اپنے آقا کے ساتھ عراق وحجاز کا سفر کیا تھا اور خود اپنے آقا سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں، ان کے علاوہ بغداد میں بڑے بڑے محدثین سے علم کا فیض پایا تھا۔ مرو میں سکونت اختیار کر لی تھی اور یہیں صفر ۵۴۱ھ میں وفات پائی۔ (کتاب الانساب: ۲۳۷)

اللہ اکبر! کیا زمانہ تھا کہ جہاز اور ریل کے بغیر ہندوستان سے ترکستان، ایران، خراسان، عراق، حجاز، شام اور مصر تک کی خاک علم کی تلاش وجستجو میں چھانتے پھرتے تھے، پھر نومسلم غلاموں کی قسمت پر آج کے خاندانی مسلمان آقا رشک کریں، کہ اسلام کے غلام بن کر وہ کیا رتبہ پاتے تھے۔

ہندوستان میں کتب حدیث کی نایابی کے بعض واقعات:...... ہندوستان میں حدیث کی کتابوں کی جو نایابی تھی، اس کا اندازہ گزشتہ واقعات سے کسی قدر ہوا ہوگا، نویں صدی ہجری تک صرف "مشارق الانوار" کا نسخہ ہندوستان میں نظر آتا ہے، سب سے پہلی دفعہ محمد تغلق کے عہد میں ہم کو یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ شمس الدین ترک، مصر سے حدیث کی تین سو کتابیں لے کر ملتان تک اس غرض سے آئے تھے کہ ہندوستان میں مذہب حدیث رائج کریں، مگر بادشاہ کا حال سن کر وہ ملتان ہی سے واپس چلے گئے۔ معلوم نہیں حدیث کی یہ تین سو کتابیں کیا تھیں، اس واقعہ کا راوی ضیاء برنی ہے جو اس عہد کا مشہور مؤرخ ہے مگر ظاہر ہے کہ متن حدیث کی اتنی کتابیں تو نہیں ہو سکتیں۔ شروح حدیث اور رجال کی کتابیں ملا کر بھی یہ تعداد پوری ہونی مشکل ہے۔ بہر حال جو بھی ہو اس واقعہ کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اتنا بیش قیمت سرمایہ آکر ہندوستان سے واپس چلا گیا۔

محمد تغلق المتوفی ۷۵۲ھ جس کے براہ راست تعلقات مصر کی عباسی خلافت سے تھے اور اس کی طرف سے اس کو حکومت کا فرمان اور خلعت اور علم بھی ملا تھا اور خلیفہ عباسی سے اس نے بیعت بھی کی تھی، اس کا قاعدہ تھا کہ جب لوگوں سے بیعت لیتا تھا تو مصر کے خلیفہ عباسی کے فرمان کے ساتھ ساتھ قرآن پاک اور مشارق الانوار کا نسخہ سامنے رکھ لیتا تھا۔ (۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک ہندوستان میں قرآن پاک کے بعد احادیث میں صرف مشارق الانوار کا وجود تھا، جب شاہی کتب خانہ کا یہ حال تھا تو عام لوگوں کی دسترس کا کیا پوچھنا ہے۔

الغرض شیخ عبدالحق محدث سے پہلے صرف مشارق الانوار کے نسخے اور کہیں کہیں مصابیح (اصل مشکوٰۃ) للبغوی المتوفی ۵۱۶ھ کے نسخے دستیاب ہوتے تھے اور یہی دو کتابیں یہاں کے علماء کے درس میں تھیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی

کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ وہ عرب سے کم سے کم مشکوٰۃ، موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے نسخے لائے اوران کو درس میں داخل کیا، اس کے بعد ان کا اور ان کے سلسلے کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ان کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا اور فارسی میں ان کی شرحیں لکھیں۔

بہر حال شیخ عبدالحق کے ذریعے مشکوٰۃ کے نسخے حجم کے کم ہونے کی وجہ سے عام ہو گئے اور بخاری کا نام اور حوالہ بھی کتابوں میں آنے لگا، تاہم مخصوص خاندانوں کے سوا صحیح بخاری کا نسخہ عام طور سے نہیں ملتا تھا۔

سلاطین تیموریہ کے کتب خانے اپنی کتابوں کی تعداد، ندرت اور جامعیت کے لحاظ سے عجائب روزگار تھے، ان کی باہی کے بعد ان کی کتابیں ہندوستان اور یورپ میں منتشر اور پراگندہ ہو گئیں اور آج بھی کثرت کے ساتھ یہ کتابیں کتب انوں میں اور کتب فروشوں کے پاس ملتی ہیں، ان میں تفسیر، فقہ، اصول، تصوف، کلام، فلسفہ، ریاضیات، ادب، دواوین، ریخ ہر فن کی کتابیں ملتی ہیں، مگر حدیث کا کوئی نسخہ ان میں سے برآمد نہیں ہوا۔ میں نے اس نظر سے خاص طور سے رپ اور ہندوستان کی مطبوعہ فہرستیں دیکھی ہیں۔

لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ دہلی کے حدود سلطنت سے باہر جو مستقل اسلامی حکومتیں اطراف ہند میں قائم تھیں، ن میں جن کا تعلق عرب سے تھا، وہاں کچھ نہ کچھ سراغ کتب حدیث کا ملتا ہے۔ اس سلسلے میں صحیح بخاری کا وہ نسخہ ہے جو گال کی سلطنت سادات کی تنہا یادگار ہے، دسویں صدی ہجری کے شروع میں بنگال میں عرب سادات کی حکومت قائم تھی، س کا ایک سربرآرا علاؤالدین شاہ حسین بن سید اشرف الحسینی تھا۔ اس کا زمانہ ۹۰۵ھ سے ۹۲۷ھ تک ہے، محمد بن یزدان بخش معروف بہ خواجگی شروانی ایک عالم تھے، انہوں نے اپنے ہاتھ سے صحیح بخاری کا ایک نہایت عمدہ نسخہ تین جلدوں میں تیار کیا تھا اور اس کو سلطان مذکور کی خدمت میں پیش کیا تھا، یہ مکمل نسخہ بانکی پور پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں موجود ہے، اس نسخہ کی تیسری جلد کے اخیر میں خواجگی شروانی کے ہاتھ کی ایک تحریر ہے، جس میں اس نسخہ کا پورا حال لکھا ہے اور سلطان مذکور کے سامنے اس کے پیش کرنے کا ذکر کیا ہے، یہ واقعات عربی میں ایسی عمدہ اور فصیح و بلیغ عبارت میں لکھے ہیں کہ یقین ہوتا ہے کہ وہ عربی کے بہت بڑے ادیب تھے، یہ عبارت کتب خانۂ مذکور کی فہرست کی پانچویں جلد کے صفحہ ۱۰ میں نقل کر دی گئی ہے۔ یہ نسخہ یکدالہ میں لکھا گیا تھا، جو اس زمانہ میں بنگال کا دارالسلطنت تھا۔

اسی طرح فتح الباری شرح صحیح بخاری کا نسخہ کم از کم احمد آباد گجرات میں بہت پہلے پہنچ گیا تھا، حافظ ابن حجر نے اپنی یہ تالیف ۸۴۲ھ میں ختم کی اور ۸۵۲ھ میں وفات پائی۔ پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں فتح الباری کی تیسری جلد کا ایک ایسا نسخہ ہے، جس پر سلطان ابراہیم والی بیجاپور کی مہر ہے۔ سلطان ابراہیم کا زمانہ ۹۸۷ھ سے ۱۰۳۵ھ تک ہے، یعنی حافظ بن حجر کی وفات کے سوڈیڑھ سو برس بعد یہ نسخہ ہندوستان پہنچ گیا تھا۔ اس پر بعد کے زمانہ میں عالمگیر کے ایک امیر قابل خاں کی مہر ہے۔

کتبِ حدیث میں سے شمائل ترمذی کا نسخہ اکبری دور میں غالباً ہندوستان پہنچ چکا تھا، ملا عبدالنبی صدر الصدر اور ملا یعقوب صرفی کشمیری عرب سے حدیث پڑھ کر آئے تھے، شاید یہی دونوں اس کو لائے ہوں گے، کیونکہ ملا عبدالنبی نے اس شمائل کا گویا ایک خلاصہ کیا ہے، جس کا ایک قلمی نسخہ دارالمصنفین میں ہے، نیز ملا یعقوب صرفی کے بیٹے ملا کبیر حسن کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ہمارے فاضل دوست مولوی حکیم حبیب الرحمٰن صاحب (ڈھاکہ) کے پاس ہے، یہ ۱۰۵۵ھ کا لکھا ہے اور جا بجا اس پر کاتب کے حواشی ہیں۔ حکیم صاحب ممدوح کے پاس ایک اور عجیب نادر چیز ہے، آج تک شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے علمی خانوادہ کا آغاز انہی کی ذات سے کیا جاتا تھا، مگر حکیم صاحب کے پاس ایک دستاویز ایسی ہے جو اس آغاز کو ایک پشت اوپر تک لے جاتی ہے، یعنی علامہ ذہبی کی ''الکاشف'' جو اسماء الرجال کی ایک کتاب ہے، اس کا ایک نسخہ حکیم صاحب کی ملکیت میں ہے، جس کے پہلے صفحہ پر مولانا عبدالحق محدث دہلوی کے والد ماجد مولانا سیف الدین ترک کے قلم کی عبارت تحریر ہے۔

غازی پور کے شرفاء کے ایک پرانے قصبہ سے چند سال ہوئے کہ میرے پاس وہاں کے ایک علمی خاندان کے چند متروکہ تبرکات کی فہرست آئی تھی، اس میں دوسری قلمی کتابوں کے ساتھ احادیث کی بھی چند قلمی کتابوں کی فہرست تھی جس میں ہر کتاب کے سامنے اس کی خصوصیات بھی درج تھیں، اس میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، ابن ماجہ، شمائل ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح، کرمانی شرح بخاری، جمع بین الصحیحین حمیدی، حاشیہ مشکوٰۃ شریف علامہ سید شریف جرجانی، شرح حصن حصین ملا علی قاری، تیسیر الوصول فی احادیث الرسول، موطا امام مالک کے نام لکھے تھے۔

صحیح بخاری کی پہلی جلد کے متعلق لکھا تھا کہ نہایت خوش خط بااعراب ہے، مدینہ منورہ کے چند علماء کی سندیں اس میں چسپاں ہیں اور مولانا عبدالباسط صاحب قنوجی کے قلم کا حاشیہ ہے، تاریخ درج نہیں، لیکن دوسری جلد کی تاریخ کتابت ۸۷۷ھ لکھی ہوئی ہے اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس پر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، شام، خوارزم، اصفہان اور ماوراالنہر کے علماء اور محدثین کے درس وسماعت میں رہ چکنے کی سندیں تحریر ہیں۔

صحیح مسلم کی نسبت لکھا تھا کہ وہ ۶۰۰ھ کی تحریر ہے، نسخہ نہایت پرانا اور خوش خط شاہی کتب خانہ (کس بادشاہ کے؟) کا ہے۔

ترمذی پر تاریخ نہیں دی ہے، مگر لکھا ہے کہ یہ نسخہ نہایت پرانا لکھا ہوا ہے۔

ابن ماجہ کے نسخہ کی نسبت بھی یہی تحریر ہے۔ شمائل ترمذی کا نسخہ ۷۶۷ھ کا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح کا نسخہ ۱۰۰۴ھ کا ہے۔

کرمانی شرح بخاری کی تاریخ ۷۷۵ھ بتائی گئی ہے اور لکھا ہے کہ یہ نسخہ مدینہ منورہ میں سنہ تالیف سے صرف پچیس برس بعد کا لکھا ہوا ہے۔ خوش خط ہے۔

جمع بین الصحیحین حمیدی کی کتابت کا سال ۱۰۹۲ھ لکھا ہے۔

حاشیہ مشکوٰۃ، میر سید شریف جرجانی کا زمانہ ۱۰۸۱ھ لکھا ہے۔

حصن حصین خوشخط و مطلا ۱۰۰۸ھ لکھا ہوا اور اس کی شرح در الثمین ملا علی قاری کا زمانہ ۱۰۸۰ھ مکہ معظمہ کا نسخہ ہے۔

تیسیر الوصول کا نسخہ ۱۰۱۱ھ کا بتایا گیا ہے، موطا کا کوئی سنہ نہیں ہے۔

بہرحال رفتہ رفتہ عرب سے کتابیں ہندوستان آنے لگیں اور اس بارۂ خاص میں سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے بعد مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فیوض و برکات کا ممنون ہونا چاہئے، مگر اس عہد میں بھی کتب حدیث کی جو ندرت تھی، اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوسکتا ہے:

میر عبدالجلیل بلگرامی جو عالمگیر سے محمد شاہ کے عہد تک زندہ تھے اور ایک زمانہ میں بھکر واقع سندھ میں سرکاری عہدہ دار تھے، وہ اپنے عہدہ سے برطرفی کے بعد بھی چھ مہینے تک وہاں اس لئے پڑے رہے کہ صحیح بخاری کا ایک اچھا سا نسخہ وہاں ان کو ہاتھ آگیا تھا، اور وہ اس کی نقل لے رہے تھے۔ (مأثر الکرام آزاد بلگرامی ج اول: ۲۶۵)

میر ممدوح کے ایک ہم وطن اور ہمعصر روح الامین خان بلگرامی پنجاب میں شاہی عہدہ دار تھے، انہوں نے اپنے ہاتھ سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم نقل کی۔ (مأثر الکرام آزاد بلگرامی ج اول: ۲۶۵)

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ایک بلگرامی شاگرد شیخ پیر محمد نے اپنے لئے مولانا ممدوح سے درس لینے کے لئے ۱۱۵۹ھ میں جامع فیروزی میں بیٹھ کر جو نسخہ نقل کیا تھا، وہی نسخہ ۱۱۸۴ھ میں شاہ عالم بادشاہ کے حکم سے اعراب اور مقابلہ اور تصحیح کے بعد خزانہ شاہی میں داخل کیا گیا، یہ متبرک نسخہ بھی پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ کی عزت ہے۔ اس نسخہ کے خاتمے پر یہ تمام واقعات مولانا پیر محمد بلگرامی کے قلم سے لکھے ہیں، پھر حضرت شاہ ولی اللہ کے دست خاص سے اجازت اور سند مکتوب ہے، اس کے بعد کوئی محمد ناصح نام عالم ہیں، ان کے ہاتھ کی تحریر ہے:

> ''بحمد اللہ وسبحانہ، تصحیح واعراب صحیح بخاری بحکم اقدس حضرت شاہ عالم بادشاہ خلد اللہ ملکہ وسلطانہ وافاض علی العالمین برہ واحسانہ در سنہ یکہزار و یک صد و ہشتاد و چہار ہجری فقیر محمد ناصح عفی اللہ از اول کتاب تا آخر از نسخہ مصححہ باتمام رسانید۔''

۱۹۲۴ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کا جو اجلاس علی گڑھ میں ہوا تھا، اس میں قلمی کتابوں کی نمائش کا بھی انتظام کیا گیا تھا، اس نمائش میں حدیث کے بعض نادر نسخے فراہم ہوئے تھے۔ اسلامیہ اسکول اٹاوہ کے کتب خانہ سے مشکوٰۃ کا ایک نسخہ آیا تھا جو بادشاہ عالمگیر کے مطالعہ میں رہتا تھا اور ایک نسخہ شمائل ترمذی کا آیا تھا، جس کو افراسیاب خان نے عالمگیر کی خدمت میں بھیجا تھا، بخاری کا ایک پرانا نسخہ ایڈیٹر صاحب پیسہ اخبار لاہور نے بھیجا تھا، جس پر اس کے ایک مالک نے خریداری کا سال ۱۰۴۶ھ لکھا تھا۔ (رپورٹ اجلاس مذکورہ جلد 2: صفحہ 10)

☆......☆......☆